Al-Mīthāq *Research Journal of Islamic Theology*
ISSN: 2791-0989 P, 2791-0997 E
Volume 03, **Issue** 01, January-June 2024, **PP**: 189-200
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

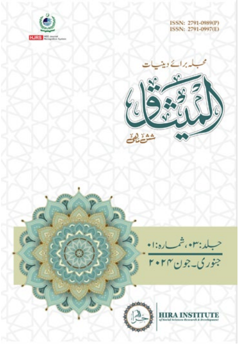

اسلام کا فلسفۂ دعوت اور اس کی حقیقت: حیاتِ رسولِ کریم ﷺ کی فکر کے تناظر میں

Islamic Philosophy of Da'wah and its Realism in the Context of the Thought of the Life of Holy Prophet ﷺ

1. Dr. Muzaffar Ali
muzaffarali.bukc@bahria.edu.pk
Assistant Professor,
Department of Islamic Studies,
Bahria University, Karachi Campus.

2. Dr. Irum Sultana
isultana@numl.edu.pk
Assistant Professor,
Department of Islamic Thought and Culture,
National University of Modern Languages, Islamabad.

How to Cite: Dr. Muzaffar Ali and Dr. Irum Sultana. 2024: "Islamic Philosophy of Da'wah and its Realism in the Context of the Thought of the Life of Holy Prophet ﷺ". *Al-Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 3 (01): 189-200.

Article History:

Received:	Accepted:	Published:
10-06-2024	25-06-2024	30-06-2024

Copyright: ©The Authors

Licensing: This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

Conflict of Interest: Authors declared no conflict of interest

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

اسلام کا فلسفۂ دعوت اور اس کی حقیقت: حیاتِ رسولِ کریم ﷺ کی فکر کے تناظر میں

Islamic Philosophy of Da'wah and its Realism in the Context of the Thought of the Life of Holy Prophet ﷺ

1. **Dr. Muzaffar Ali**
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Bahria University, Karachi Campus.
muzaffarali.bukc@bahria.edu.pk

2. **Dr. Irum Sultana**
Assistant Professor, Department of Islamic Thought and Culture,
National University of Modern Languages, Islamabad.
isultana@numl.edu.pk

Abstract:

According to the teachings of the religion, the call for reform is based on the reality of human existence, which is also expressed in the first revelation. Therefore, the style of *Da'wah* in modern times needs to be understood on a philosophical basis with the Holy *Qur'ān* and the *Sunnah* of the Prophet in mind. Where the style of invitation is decorated with a unique style, many scholars have described this side in the form of narration. there is a need to determine the direction of the style of invitation [*Da'wah*] in the context of time and place. And it is also necessary to see that the method of *Da'wah* of the Holy Prophet (ﷺ) was for what purposes? And according to people, the style was based on inviting styles? And in the light of the thoughts of the life of the Holy Prophet (ﷺ) for the present day, can the *Da'wah* be presented in an Islamic and organized manner and in the best structure? These aspects will be discussed in this study. Because of the current situation, Muslims are suffering from intellectual conflict in many ways. As a result, our attitudes will be able to draw their intellectual and emotional attention to Islam on an intellectual basis. For this, in the light of the basic sources of the religion of Islam, there is an elegant and popular outline of *Da'wah* in such containers which is in dire need of adapting to the present situation and issues and establishing it on modern intellectual foundations.

Keywords: *Da'wah, Sīrah, Modern Times, Invitation, Intellectual Conflict.*

تعارف

کسی بھی راہ کی موجود حالت اس کی منازل کے ترویجی اسلوب پر منحصر ہوتی ہے۔ اسلام کی افقی منازل تک کی حقیقت کو بھی اسی بنیاد پر پرکھنے کی ضرورت ہے جس کی بنیاد نبی کریم ﷺ نے رکھی۔ بانی اسلام ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کے فلسفۂ تفوق کے انداز کو پرکھ کر، عصر حاضر میں درپیش مسائل کو انسانی حال کے مطابق پرونے کے زاویے کو دعوت اسلام کے اسلوب کی صورت میں پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ تعلیمات دین کے مطابق دعوتِ اصلاح وجود انسانی کی حقیقت پر مبنی ہے جس پر وحی اوّل بھی دلالت کرتی ہے۔ وجود انسانی کی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے خالق کریم عزوجل نے فرمایا "پڑھو اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو لوتھڑے سے وجود بخشا"۔[1] یہ اس بات کی بھی ترجمانی کر رہی ہے کہ ربِّ کائنات نے ابتداء دین حقیقت انسان کی آشنائی پر مبنی کی ہے۔ یہ اندازِ تفکر عقل کو اس طرف لے جاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ منصب رسالت میں درپیش حالات سے انتہا تک

انسان ذات کو معقول جہات پر پرونے کے بارے فکر مند تھے۔ چونکہ قرآن کریم کا مضمون بھی ذاتِ انسان ہے اس لئے عصر حاضر میں اسلوبِ دعوت کے انداز کو قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کو سامنے رکھتے ہوئے فلسفیانہ بنیادوں پر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جہاں اسلوب دعوت کو ایک منفرد انداز کے ساتھ مزین کیا گیا ہے، جہاں یہ سمجھایا گیا ہے کہ انسان انسانی سانچے میں خود کو کیسے بہ آسانی ڈھال سکتا ہے، جہاں احوالِ زمان ومکان کے تناظر میں اسالیب دعوت کی جہات کے تعین کی ضرورت ہے اور یہ بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا منہج دعوت کن مقاصد پر محیط اور لوگوں کے مطابق انداز دعوت کن اسالیب پر مبنی تھا؟ نیز دور حاضر کے لئے حیات نبی کریم ﷺ کے افکار کی روشنی میں دعوت اسلامی کو مرتب ومنظم انداز اور بہترین ڈھانچے میں پرو کر کیسے پیش کیا جاسکتا ہے؟ اس تحقیق میں مذکورہ جہات کو زیر بحث لایا جائے گا۔ خاکہ کچھ اس طرح ترجمانی کر سکتا ہے؛

- حقیقتِ انسان اور ضرورت دین۔
- اہل مکہ کے حالات، نبی کریم ﷺ کا اسلوب دعوت وحکمت، اور آج کی معاشرتی ضرورت۔
- ہجرت حبشہ، اہل مکہ اور حاکم حبشہ کا رویہ اور تعلیمات نبی کریم ﷺ: دور حاضر کے تناظر میں فکری پہلو۔
- امت کے موجودہ دعوتی انداز اور فکرِ نبوی کے مطابق توجہ طلب امور۔

چونکہ موجودہ حالات میں مسلمان کئی طرح سے فکری کشمکش کا شکار ہیں جس میں کامیاب ہونے کے لئے اتحاد امت کے ساتھ ساتھ غیر کی حقیقت، فکر وفلسفہ اور اس کے تطبیقی انداز سے آشنائی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کے نتیجے میں ہمارے رویے فکری بنیادوں پر ان کی فکری وقلبی توجہ اسلام کی طرف مبذول کر سکیں گے۔ اس کے لئے دین اسلام کے بنیادی مآخذ کی روشنی میں ایک مزین ومروج خاکۂ دعوت موجود ہے جسے موجودہ حالات ومسائل سے مطابقت دے کر جدید فکری بنیادوں پر قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

حقیقتِ انسان اور ضرورتِ دین

دور حاضر میں انسانی حقیقت ایک مخمصہ کی حیثیت رکھ چکی ہے۔ یا تو اس حقیقت کو دین میں بنائی گئی خودی پر مبنی جہت سے متعلق کیا جاتا ہے یا اندھی بہری گونگی طرز کی مخلوقانہ وجود سے۔ تخلیق انسانی پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ رب العزت نے انسان کو محدود وجود فقط ایک مقصد کے لئے دیا ہے یا تخلیقی وایجادی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے۔ رب کریم نے انسان کی تخلیق کو پیش کیا تو فرمایا:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔[2]

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔

اس بات کو بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے کہ سبب تخلیق سامنے آنے پر فرشتوں نے کہا کہ:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔[3]

جبکہ ہم تیری تسبیح اور تقدیس بیان کرتے ہیں۔

اس آیت کا حصہ اوّل انسان کی منزلت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور جزء دوم نفی محدود ہے اس وجہ سے کہ رب کریم ارشاد ارشاد فرماتے ہیں کہ میں جو جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔[4] سورۃ الرحمٰن کی تیسری آیت کے بارے امام رازی اپنی تفسیر میں

انسان کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

عَلَّمَهُ الْبَيانَ أَيْ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ تَعْدِيدًا لِلنِّعَمِ عَلَيْهِ وَمِثْلُ هَذَا قَالَ فِي: اقْرَأْ قال مرة: عَلَّمَ بِالْقَلَمِ مِنْ غَيْرِ بَيَانِ الْمُعَلِّمِ، ثُمَّ قَالَ مَرَّةً أخرى:عَلَّمَ الْإِنْسانَ ما لَمْ يَعْلَمْ وَهُوَ الْبَيَانُ۔[5]

انسان کو بیان سکھایا مطلب کہ انسان کو کئی نعمتوں (زندگی کے مثبت سفر) کے بارے میں سکھایا اور اسی طرح فرمایا سورۃ اقرأ میں: قلم سے سکھایا معلم کے سکھائے بغیر، دوبارہ وہیں کہا، انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا اور وہ بیان ہے۔

اگر تطوراتی بنیادوں پر انسان کی تخلیق پر غور کریں تو کئی پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں کہ انسان آزاد صنف مخلوق ضرور ہے لیکن مقررہ حدود کے موافق منزل کا حصول اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ کئی طبقات انسان کی اس مقرر حدود کو دین کے نام میں قید کر دیتے ہیں جبکہ دین خود تربیت انسان کا مجسمہ ہے جیسا کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہی ہر چیز کی تقویم، یہی اصل نمود

گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور

اہل مکہ کے حالات، نبی کریم ﷺ کا اسلوب دعوت وحکمت اور آج کی معاشرتی ضرورت

مکہ کے حالات اور نبی کریم ﷺ کا زمانہ انتہائی غور طلب ہے۔ آپ ﷺ کی ولادت کے زمانے سے اگر عرب اور مکہ پر خصوصی نظر دوڑائی جائے تو کسی بھی قسم کی تہذیبی روایات نہ ہونے کی وجہ سے وہاں کے حالات عام انسانی رہن سہن کے مطابق انتہائی بگڑے ہوئے تھے اور ان کی نظر ہر چیز کے متعلق مختلف اندازِ فکر کی ہوتی تھی جس میں اثباتی پہلو بھی ہیں اور منفی بھی۔ اسی تناظر میں شیخ ڈاکٹر محمد الغزلی اس عہد کی ترجمانی یوں کرتے ہیں:

كان أهل مكة ضعاف التفكير أقرباء الشهوات: إذ لاصلة بين نضج الفكر ونضج العزيزة ولا بين تخلف الجماعات من الناحية العقلية وتخلفها من ناحية الأهواء والمطامع.[6]

مکہ کے لوگ کمزور سوچ کے حامل اور خواہشات کے قریب تر تھے کیونکہ فکری اور جذباتی پختگی کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی عقلی لحاظ سے پیچھے رہ جانے اور خواہشات اور لالچ کے لحاظ سے پیچھے رہ جانے کے درمیان کوئی تعلق ہے۔

اسی سوچ کے دائرہ میں زمانہ جاہلیت کو کچھ اس طرح پیش کیا گیا ہے:

وقد بينت الاكتشافات الاثرية ما كان للعرب البائدة والباقية قبل الاسلام من الشرائع القويمة والنظامات الناضجة والمبادئ الصحيحة التي لايمكن أن يصل اليها الّا من بلغت عقولهم أسمي درجات الرقي والكمال۔[7]

آثار قدیمہ کی دریافتوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ اسلام سے پہلے بائدہ اور باقی رہ جانے والے عربوں کے پاس درست قوانین، پختہ نظامات اور صحیح اصول موجود تھے جن تک وہی پہنچ سکتے تھے جن کی عقلیں اعلیٰ درجات کی ترقی اور کمال تک پہنچی ہوئی تھیں۔

عمومی طور پر انسانی زندگی کا یہ حال تھا کہ انسان انسان کا دشمن تھا۔ نوع انسانی میں مرد اور عورت تک کی قدر باقی نہیں رہی تھی، دینی اقدار تک انسان بھول چکا تھا۔ اس دور کو ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی یوں رخ دیتے ہیں:

كانت طبائعهم أشبه ماتكون بالمادة (الخام) التي لم تنصهر بعد في أي بوتقة محوّلة، فكانت تتراآى فيها الفطرة الإنسانية السليمة والنزعة القوية إلى الاتجاهات الإنسانية الحميدة، كالوفاء والنجدة والكرم والإباء والعفة. إلا أنه كانت تعوزهم المعرفة التي تكشف لهم الطريق إلى كل ذلك. إذكانوا يعيشون في ظلمة من الجهالة البسيطة والحالة الفطرية الأولى، فكان يغلب عليهم -بسبب ذلك- أن يضلوا الطريق إلى تلك القيم الإنسانية فيقتلوا الأولاد بدافع الشرف والعفة، ويتلفوا الأموال الضرورية بدافع الكرم، ويثيروا فيما بينهم المعارك بدافع الإباء والنجدة.[8]

ان کی طبیعتیں کسی حد تک خام مادے جیسی تھیں جو ابھی تک کسی تبدیلی کے قالب میں نہیں ڈھلی تھیں۔ ان میں انسانی فطرت کی صفائی اور انسانی خوبیوں کی طرف مضبوط رجحان، جیسے وفا، مدد، سخاوت، عزت اور پاکیزگی، نظر آتی تھی۔ لیکن انہیں وہ علم نہیں تھا جو انہیں ان تمام خوبیوں کی راہ دکھاتا۔ وہ سادہ جہالت اور ابتدائی فطرت کی تاریکی میں زندگی گزار رہے تھے، جس کی وجہ سے وہ اکثر ان انسانی اقدار کی راہ سے بھٹک جاتے۔ وہ عزت اور پاکیزگی کے جذبے کے تحت بچوں کو قتل کر دیتے، سخاوت کے جذبے کے تحت ضروری مال ضائع کر دیتے اور عزت اور مدد کے جذبے کے تحت آپس میں لڑائیاں شروع کر دیتے تھے۔

رہی یہ بات کہ فکری طور پر عرب کن بنیادوں پر اپنا ایک مرتبہ رکھتا تھا؟ اس کی ایک مثال آپ ﷺ کے آباء کی زندگی سے کچھ یوں ہے کہ زندگی کے پہلو کو فکری انداز میں دیکھنے میں مہارت رکھتے تھے:

كان قصي شريف أهل مكة لاينازعه احدفي الشرف، فابتنى دارالندوة، ففيها كانت تكون أمور قريش فيماينوبهم وفيما أرادوا من نكاح أو حرب أو مشورة و ماعساه ينوبهم حتى إن كانت الجارية لتبلغ أن تدرع فلايشق درعها إلافيهاتيمنابهاوتعظيمالهاوتشريفالأمرهاوشأنها۔[9]

قصی اہل مکہ میں اتنے شریف تھے کہ شرافت میں کوئی ان کی منزلت کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ انہوں نے دار الندوہ بنایا جس میں قریش کے معاملات کو رکھا جاتا اور وہ ان کی نیابت کرتا تھا۔ نکاح یا جنگ یا مشاورت اور اس جیسے معاملات میں بھی نیابت کرتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی باندی بچی پہنچتی تھی کہ اس کی چادر نہ چاک کی جائے اس کا احترام اور عزت رکھتے اور اس امور کو شرف بخشتے تھے۔

آپ ﷺ کی زندگی میں سے فکری ترویجی بنیاد کی اہم مثال حلف الفضول کی ہے جسے علمی انداز میں عنوانی فکری کے مطابق کچھ اس طرح بیان کیا گیا:

أما "حلف الفضول" فهو دلالة على أن الحياة مهما اسودت صحائفها، وكلحت شرورها، فلن تخلو من نفوس تهزها معاني النبل. وتستجيشها إلى النجة والبر. ففي الجاهلية الغافلة نهض بعض رجال من أولى الخير. وتوثقوا بينهم على إفرار العدالة وحرب المظالم، وتجديد ما اندرس من هذه الفضائل في أرض الحرم۔[10]

جہاں تک حلف الفضول" کا تعلق ہے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زندگی چاہے کتنی ہی تاریک کیوں نہ ہو جائے اور اس کی برائیاں کتنی ہی بدصورت کیوں نہ ہوں۔ یہ ہمیشہ ان نفوس سے خالی نہیں ہوتی جو عظمت کی معانی سے متاثر ہوں اور مدد و نیکی کے لئے آمادہ ہوں۔ جاہلیت کے غافل دور میں بھی کچھ بھلے لوگ اٹھے اور انہوں نے آپس میں عہد کیا کہ وہ انصاف کو برقرار رکھیں گے، ظلم کے خلاف جنگ کریں گے، اور حرم کی

سرزمین پر ان فضائل کو دوبارہ زندہ کریں گے جو مٹ چکی تھیں۔

یہ مکہ کے احوال کا خلاصہ ہے جس معاشرے میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے زندگی کے حالات کو فکری بنیادوں پر دیکھنے کی ضرورت ہے کہ گرے ہوئے، پسماندہ، بھٹکے انسانوں کے معاشرے میں آپ ﷺ نے کیسے بسیرا کیا اور ایسے معاشرے میں زندگی کی راہیں اپنی تربیت اور بچاؤ یا انسان کی فکری تربیت کی سوچ پر مبنی رکھیں۔ پیغمبر کریم ﷺ کی زندگی بچپن کے حالات سے لے کر بعثت تک طویل اور تفصیل طلب ہے۔ البتہ یہاں چند دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے آپ کے بچپن کا بحیرہ راہب والا مشہور قصہ؛ جب آپ کے چچا آپ کو تجارت کی غرض سے شام کی طرف لے گئے اور بصرہ میں پڑاؤ کیا تو وہاں کے گرجاگھر کے راہب نے اس تجارتی لشکر کی دعوت کی اور تمام شرکاء کو کھانے میں شریک کیا۔ ایک بچہ کے علاوہ تمام نے شرکت کی تو راہب بحیرہ نے کہاں کوئی اور ہے تو اسے بھی بلائیں۔ بچے کو بھی بلایا گیا، جب بچہ آیا تو راہب نے اسے گہری نظر سے دیکھا اور اسے وہ علامتیں نظر آنے لگیں جس وجہ سے اس لشکر کی دعوت کی تھی۔ لشکر کی دعوت کے بعد اس نے بچے سے تنہائی میں جو سوال کئے وہ غور طلب ہیں کہ اس شخص نے معلومات کے لئے کن جہات پر زور دیا؟ سیرت کی مشہور کتاب سیرت ابن ہشام میں اسے یوں روایت کیا گیا ہے:

فَقَالَ (لَهُ): يَا غُلَامُ، أَسْأَلُكَ بِحَقِّ اللَّاتِ وَالْعُزَّى إِلَّا مَا أَخْبَرْتَنِي عَمَّا أَسْأَلُكَ عَنْهُ، وَإِنَّمَا قَالَ لَهُ بَحِيرَى ذَلِكَ، لِأَنَّهُ سَمِعَ قَوْمَهُ يَحْلِفُونَ بِهِمَا . فَزَعَمُوا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ (لَهُ) : لَا تَسْأَلْنِي بِاللات والعزى، فو الله مَا أَبْغَضْتُ شَيْئًا قَطُّ بُغْضَهُمَا، فَقَالَ لَهُ بَحِيرَى: فبالله إِلَّا مَا أَخْبَرْتَنِي عَمَّا أَسْأَلُكَ عَنْهُ، فَقَالَ لَهُ: سَلْنِي عَمَّا بَدَا لَكَ. فَجَعَلَ يَسْأَلُهُ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ حَالِهِ فِي نَوْمِهِ وَهَيْئَتِهِ وَأُمُورِهِ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْبِرُهُ، فَيُوَافِقُ ذَلِكَ مَا عِنْدَ بَحِيرَى مِنْ صِفَتِهِ۔[11]

تو اس (راہب) نے کہا، اے لڑکے، میں لات اور عزی کے واسطے تجھ سے پوچھتا ہوں کہ میں جو پوچھوں اس کا جواب دو، بحیرا نے آپ (ﷺ) کو یہ کہا، کیوں کہ یہ قوم ان کی قسمیں اٹھاتی ہے، تو اس نے رسول ﷺ کے بارے میں بھی یہی گمان کیا، آپ (ﷺ) نے اسے کہا: مجھے سے لات اور عزی کے واسطے دے کر سوال نہ کریں، اللہ کی قسم میں کسی چیز سے ان سے زیادہ نفرت نہیں کرتا، تو آپ کو بحیرا نے کہا: تو آپ کو اللہ کی قسم وہ بتائیں جو میں آپ سے سوال کرتا ہوں۔ آپ (ﷺ) نے کہا پوچھو جو آپ چاہو۔ تو اس نے آپ سے چیزوں کے بارے میں پوچھا آپ کے حال کے بارے میں نیند کے بارے میں اور معاملات کے بارے میں، تو آپ (ﷺ) اسے بتاتے گئے، تو بحیرا متفق ہو گیا۔

اس گفتگو میں فکری بنیادوں پر دو پہلو بہت اہم ہیں: اول یہ کہ راہب نے پہلا سوال عمومی طور پر رائج قسم سے شروع کیا تو آپ (ﷺ) نے شدت نہیں سلیقہ اپناتے ہوئے ایک بڑے اور مذہبی ماہر کے طور پر احسن انداز میں جواب دیا اور وحدانیت کو سلیقہ سے سامنے لائے۔ دوم یہ کہ راہب کے ذاتی زندگی کے متعلق سوال اور آپ ﷺ کے جوابات کی تفاصیل کتب سیرت میں موجود ہیں۔ بعثت سے قبل آپ ﷺ کے انداز سے سبق حاصل کیا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ اختلاف ہونے کے باوجود کس نوعیت کے تعلقات ہونے چاہئیں؟ مرکزیت منصب نبوت کی تعریفی تشریح کرتے ہوئے امام ماوردی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

والأنبياء هم رسل الله تعالى إلى عباده بأوامره ونواهية، زيادة على ما اقتضته العقول من واجباتها وإلزاماً لما جوزته من مباحاتها، لما أراده الله تعالى من كرامة العاقل وتشريف أفعاله واستقامة أحواله وانتظام مصالحة، حين هيأه للحكمة وطبعه على المعرفة...لأن الناس بنظرهم لا يدركون مصالحهم بأنفسهم ولايشعرون لعواقب أمورهم بغرائزهم ولا ينزجرون مع اختلاف أهوائهم دون أن يرد عليهم آداب المرسلين وأخبار القرون.[12]

انبیاء اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جو اللہ کے احکام اور ممانعتوں کو اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں، اس کے علاوہ جو عقل نے اپنے فرائض میں سے سمجھا ہے اور جو اس نے مباحات میں سے جائز سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ عقل رکھنے والے کی عزت ہو، اس کے اعمال کو شرف ملے، اس کے حالات درست ہوں، اور اس کے مفادات منظم ہوں، جب کہ اللہ نے اسے حکمت کے لیے تیار کیا اور اسے علم و معرفت کی فطرت عطا کی۔ کیونکہ لوگ اپنے مفادات خود نہیں سمجھ سکتے اور نہ ہی اپنے امور کے نتائج کا شعور رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنی خواہشات کے اختلاف کے ساتھ روک سکتے ہیں جب تک کہ ان کے پاس رسولوں کی تعلیمات اور گزرے ہوئے ادوار کی خبریں نہ پہنچیں۔

آپ ﷺ کی شخصیت منصب نبوت کی طرف گامزن تھی۔ قبل از بعثت ایک ایک مرحلہ قابل مطالعہ ہے یہاں تک کہ آپ کریم ﷺ کا غار حرا میں علیحدگی اختیار کرنا اور وحی اول کا نازل ہونا انسان کی حقیقت کے بیانیے کے ساتھ ایک فکری حیثیت رکھتی ہے جس پر گہرے غور کی ضرورت ہے۔ اسی بارے میں ڈاکٹر محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ یوں لکھتے ہیں:

وكانت تأمّلاته الماضية قد وسّعت الشقة العقلية بينه وبين قومه، فأمست نظرته إليهم نظرة عالم الفلك- في عصرنا- إلى جماعة يؤمنون بأن الأرض محمولة على قرن ثور، أو نظرة عالم الذرة إلى جماعة يتراشقون بالحجارة إذا تحاربوا، ويتنقلون بالمطايا إذا سافروا... ذلك من الناحية الفكرية، أمّا من الناحية النفسية؛ فإنّ الإلحاد الذي شاع في الجاهلية[13]

آپ کے ماضی کے غور و فکر نے اس کے اور اس کی قوم کے درمیان عقلی فاصلہ بڑھا دیا تھا، چنانچہ اس کی قوم کی طرف اس کی نظر ایسی تھی جیسے ہمارے زمانے میں ایک ماہر فلکیات کی نظر ان لوگوں پر ہو جو یقین رکھتے ہیں کہ زمین ایک بیل کے سینگ پر ٹکی ہوئی ہے، یا جیسے ایک ماہر جوہری کی نظر ان لوگوں پر ہو جو جنگ کے دوران پتھر پھینکتے ہیں اور سفر کے دوران جانوروں پر سوار ہوتے ہیں ... یہ فکری لحاظ سے تھا، لیکن نفسیاتی لحاظ سے جاہلیت میں جو الحاد عام ہو گیا تھا۔

موجودہ دور میں ہماری معاشرتی زندگی بھی مکہ کے قدیم حالات کی طرح ابتر ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کی ابتدائی زندگی سے انداز زندگی کا سبق لیا جائے کہ اس حال میں جب دین نہیں تھا آپ کا لوگوں کے اچھے برے انداز پر کیا برتاؤ اور رویہ تھا اور ان کی اصلاح کا کیا جذبہ تھا؟ ان جذبات کو کس طرح اخلاقی عملی جامہ پہنایا کہ بالآخر سخت حالات میں بھی دشمن کا رخ ڈھالنے والوں نے آپ ﷺ کی صداقت اور امانت کا اقرار کیا۔ مکہ کے ان خستہ حالات میں بھی نبی کریم ﷺ کا بعثت سے قبل ذاتِ انسان کے لئے فکر مند رہنا ہمارے معاشرے کے سلجھے ہوئے افراد کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ معاشرے کے ناسمجھ افراد کو مورد الزام ٹھہرانے کے بجائے ان کو مہذب انداز میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل کوتاہیوں کا فکری جائزہ لینے کی ضرورت ہے:

- غریب اور نادار اور پسا ہوا طبقہ امیر طبقہ کو برا کیوں سمجھ رہا ہے؟
- اہلیت کے حامل افراد معاشرے کے افراد سے دوری کیوں رکھتے ہیں؟
- معاشرے کے عام افراد میں دینی یا قومی بنیادوں پر جذبات آخر کیوں؟
- معاشرے کے افراد متفرق کیوں اور حل کیا ہے؟

ہجرتِ حبشہ، اہلِ مکہ اور حاکم حبشہ کا رویہ اور تعلیمات نبی کریم ﷺ: دور حاضر کے تناظر میں فکری پہلو

مکہ کی سرزمین پر جوانی کے جوبن پر بعثت کے بعد آپ ﷺ کی بیٹھی ہوئی دھاک پر تلخ وقت گزرا. آپ کی ذاتی زندگی کا پہلا مرحلہ دو اشخاص سیدنا ابو طالب (اللہ تعالیٰ ان اپنی رحمت اور رضا فرمائے) اور سیدۃ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے بہت محفوظ رہا۔ دونوں نے ابتدائی تلخ دنوں میں اعلیٰ معیار کی معاونت فرمائی۔ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی نے ان دونوں کی منزلت کو سیرت ابن ہشام کی روشنی اس طرح سامنے رکھا ہے:

> يشكو الرسول إليها ويجد عندها أنسه وسلوه. أما أبو طالب، فقد كان عضداً وحرزاً في أمره، وكان ناصراً له على قومه.[14]
>
> خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے رسول اللہ ﷺ اپنے مسائل بیان کرتے اور اس کے پاس سکون اور دلجوئی پاتے تھے۔ جہاں تک ابو طالب کا تعلق ہے، وہ آپ کے معاملات میں بازو اور حفاظتی ڈھال تھے اور اپنی قوم کے خلاف آپ کے مددگار تھے۔

ان کی عام الحزن بعثت کے دسویں سال رحلت ہوگئی، اس کے بعد آپ کی زندگی کے دن مزید تلخ بنتے گئے اور آپ نے اپنے معتقدین (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور اپنے خواب کی تعبیر کی خاطر کئی اقدامات کا تہیہ کیا۔ اس کی خاطر ایک بیج آپ نے ہجرت حبشہ کی صورت میں بویا تھا۔ جب بالخصوص غریب طبقہ انتہائی تلخی میں کڑھ رہا تھا طاقتور طبقہ ماتحت کو انتہائی اذیت دے رہا تھا۔ سب سے بڑی مثال سیدہ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر سیدنا یاسر رضی اللہ عنہ کی اذیت ناک شہادت ہے۔ ایسے اذیت ناک اندوہ ناک حالات میں اللہ کریم عزوجل نے اہل ایمان کو ہجرت حبشہ کی اجازت مرحمت فرمائی وہاں کے حاکم کی امن میں شہرت کو دیکھتے ہوئے۔[15] ان حالات کا فلسفیانہ بنیادوں پر مطالعہ کیا جائے تو ہمارے لئے دور حاضر کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سے اسباق ہیں۔ چند ایک اہم درج ذیل ہیں:

- ہجرت حبشہ کا سبب بننے والے واقعات جیسا کہ آپ ﷺ کے معتقدین پر انتہائی کڑے اوقات تو اپنے محبین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قومی بغاوت کرتے ہوئے قوم کے خلاف کھڑا ہونے پر نہیں ابھارا بلکہ ہر مشکل سے مشکل لمحے پر اپنے معتقدین کو صبر کی تعلیم دی۔
- جب تکلیف لوگوں کی برداشت سے بڑھ گئی تو رب کریم نے نقب زنی لگا کر بدلہ لینے کی ترغیب نہیں دی، البتہ آسان راستہ بتایا کہ یہاں سے پر اسرار نکلتے جاؤ۔ نبی کریم ﷺ کے مشہورے سے انہوں نے حبشہ کی راہیں لیں۔

آپ ﷺ کے معتقدین نے حالات کے تناظر میں حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اس وقت حبشہ کا حاکم اصحمہ نجاشی تھا۔ مسلمانوں نے وہاں امان لی، وہاں سے نکلتے ہوئے اہل مکہ کی طرف سے ان کی سرکوبی کی گئی، یہاں تک کہ وہ تحفے تحائف کے ساتھ وہاں کے حاکم کے پاس پہنچے اور انہیں کہا کہ یہ ہمارے معاشرے کے اصولوں کے خلاف کھڑے ہوئے ہیں، انسانی زندگی کے اصولوں کو

نئے دین کی تعلیم کی صورت میں لا کھڑا کیا ہے جو ہمارے رہن سہن سے ٹکراتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کے دین تک سے بھی ٹکراتے ہیں۔ جب حاکم وقت نے انہیں طلب کیا تا کہ حقائق سے آگاہی ہو تب سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نمائندگی کرتے ہوئے اپنے لوگوں اور قوم کی اعلیٰ سلیقہ مند الفاظ میں نمائندگی کی۔ کہا کہ ہم برے راستے پر چل رہے تھے اور اپنی زندگی کے سکون کی تلاش میں پتھرے کے سامنے جھکتے تھے انہیں رب تک کا درجہ دیتے تھے، ظلم عام تھا اور رشتوں تک کی قدر نہیں تھی۔ ایسے اللہ تعالیٰ نے ہم میں نبی بھیجا جس نے ہمیں زندگی کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ خدا کی وحدانیت کے ساتھ اس کے عباد کے حقوق سے آگاہی دی جو ہماری قوم کو نہیں بھائی اور اس کے زندگی کے اصولوں کو ماننے والوں کو تکلیف در تکلیف دینے لگے تو ہم ان کے رب کریم کی بشارت سے آپ کے علاقے میں آگئے کہ سنا تھا نبی کریم ﷺ نے ہمیں بتایا کہ آپ انسان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بلا وجہ اس کے حقوق سلب نہیں کرتے اور ہمیں آپ کی مملکت کی طرف بھیجا۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ انسانی اور دینی بنیادوں پر ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔[16]

انسانی فطرت کے مطابق باہمی مخاصمت کی خاطر اہل مکہ کے قاصدین عبد اللہ بن أبي ربیعہ اور عمرو بن العاص پر گراں گزرا اور بدلے کی خاطر حاکم حبشہ کی خدمت میں ہرزہ سرائی کے لئے دوسرا کیس دائر کیا کہ ان کے نئے دین کی روشنی میں آپ کا دین بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ لوگ اس دین کو بھی ہمارے دین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حاکم نے ان کی باتوں پر جذباتی انداز کے بجائے حقائق کی تہہ جاننے کی خاطر دوبارہ اس گروہ کو بلایا کہ ان کے الزام کی صفائی پیش کرو کہ ان کے بقول آپ ہمارے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور دین کے بارے میں مثبت رائے نہیں رکھتے۔ سیدنا جعفر نے داعیانہ انداز میں ماحول کو دیکھتے ہوئے بہترین جواب دیا کہ وہ تو اللہ کے نبی اور اس کے بندے ہیں۔ نیز نص قطعی سے دلیل میں سورہ مریم کی آیات تلاوت کیں جسے سن کر حاکم نجاشی بھی حیران ہوا اور تنکہ اٹھا کر کہا:

مازاد هذا على ما في التوراة ولاهذا العود۔[17]

یہ تورات میں بیان شدہ سے اس تنکہ سے بھی زیادہ نہیں۔

اس مرحلہ پر دعوت کے تناظر میں تین نکات اہم معلوم ہوتے ہیں:

- وجہ ہجرت حبشہ اور اس کے مثبت فکری اثرات۔
- اہل مکہ کا حاکم حبشہ سے قوی امیدیں رکھنا اور حاکم حبشہ کی دوستانہ تعلقات کے باوجود اجنبیوں کی طرف خاص توجہ۔
- دیار غیر میں امان اور دینی دفاعی تقاضہ۔

دعوت کے متعلق یہ تین نکات ہمارے دور میں انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی ہجرت میں مسلمانوں کا دعوتی کردار مثبت رنگ لایا کہ انسانی بنیادوں پر مبلغانہ رویہ کی اہمیت سامنے آئی۔ حاکم حبشہ نے لفظوں میں چھپی سوچ کی حقیقت کو اہمیت دی، یہی وجہ تھی کہ وہاں کے باسیوں نے ان کو دعوت کو سننا شروع کیا اور اسلام میں داخل ہونے لگے۔ ہجرت حبشہ ہمیں سب سے اہم فکری درس دیتا ہے کہ قوم پر مشکل یا کڑا وقت ہو تو جذبات سے نکل کر خلقی اور انسانی بنیادوں پر سوچیں کہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ لوگ ہمارے پیغام کو ٹھیک سے سمجھیں اور غلط رویوں سے باز آئیں؟ امت مسلمہ اگر ان واقعات کو تاریخ قصص سے ہٹ کر سامنے رکھے تو فلسفیانہ بنیادوں پر فکری پہلو ہماری رہنمائی کریں گے۔

امت کے موجودہ دعوتی انداز اور فکرِ نبوی کی مطابق توجہ طلب امور

موجودہ دور کئی پہلوؤں سے ترقی کی منازل توطے کر چکا ہے لیکن خود کو انسان سمجھنے کے باوجود انسان خلقی تعلیمات کے مطابق خود کو ثابت نہیں کر سکا۔ اگر تخلیق انسانی پر غور کریں تو چیزوں کی حقیقت کو سمجھ پائیں گے، وجود کے مطابق ہر چیز کا حق بھی ادا کرنے کے قابل ہوں گے اور دعوت کے اصول کے مطابق اسلوب زندگی خالق کی ہدایت کے مطابق مزین کر پائیں گے۔ اس حقیقت کے ادراک بغیر انسان کے اپنے وجود کی حقیقت ادھوری ہے:

حقيقة الشئ وماهيته:مابه الشئ هو هو كالحيوان الناطق للإنسان[18]

کسی چیز کی حقیقت اور اس کی ذات: ہر چیز کی حقیقت وہی ہے جس کی بناپر وہ چیز بنے جیسا کہ انسان کے لیے بولنے والا جانور ہے۔

دور حاضر میں اگر دین کی تعلیمات کے ساتھ دعوت دینے کا مقصد پیشِ نظر ہو تو وہ صرف اپنے احاطے میں شامل کرنا نظر آتا ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کی فکر انسان کو انسان بنانے پر محیط ہے۔ انسانی تربیتی حقیقت کو ابن خلدون کے انسانی اجتماعی فلسفے کے مطابق اس طرح پیش کیا گیا ہے:

أي العملية التربوية هي محاولة إجابة واقعية عن الأسئلة الرئيسة الآتية:من هو الإنسان؟ ولماذا وجد؟ وكيف يتحقق ما لأجله وجد؟... وأي مشروع تربوي تتحدد سماته عموما من خلال نوعية الإجابة عن هذه الأسئلة، أي نوعية الإنسان المراد إنتاجه.[19]

انسان کا تربیتی عمل درحقیقت ان بڑے سوالات کے جوابات کو محیط ہے کہ: انسان کون ہے؟ کیوں دنیا میں اسے وجود بخشا گیا؟ اور جس مقصد کے لیے اسے وجود بخشا گیا انہیں کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟ جو تربیتی عمل ان سوالات کے تشفی بخش جواب فراہم کرے وہی انسان کی حقیقت کو ثابت کرے گا جس پر عمل پیرا ہو کر انسان نتائج تک پہنچ سکتا ہے۔

اس حقیقت کے بیان کے بعد ابن خلدون انسان کی تخلیق کو جو نتیجہ نکالتے ہیں وہ خالق کی منشاء کے مطابق زندگی گزارنا اور نظمِ تربیت ہے۔ چنانچہ انسانی معاشرے کے لیے لازم ہے کہ اپنے وجود کو اللہ کی مرضی اور ارادہ کے تحت ڈھالتے ہوئے نظمِ حیات ترتیب دیں کہ یہی اس کی نیابت اور خالق کی بادشاہت کا تقاضا ہے۔[20] اس وقت امت مسلمہ کئی طرح کے افتراقات کا شکار ہے اور ہر گروہ تعارف میں دعوت دین کو رکھتا ہے۔ مندرجہ بالا منطقی انداز دعوت حقیقت انسان کی آگاہی پر مبنی ہے۔ رب کریم ارشاد فرماتا ہے:

ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِي هِيَ أَحْسَنُۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِۦ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ۔[21]

اپنے رب کے رستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے بلاؤ اور ان سے احسن انداز سے بحث و مباحثہ کرو۔ بیشک تیرا رب سیدھی راہ سے بھٹکنے والوں کو اور ہدایت یافتہ افراد کو بخوبی جانتا ہے۔

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور میں ان خاص جہات اور مقاصد کی خاطر دعوت کی ضرورت ہے:

- معاشرتی خرابیوں کو ختم کرنے کے لئے۔
- نوجوان نسل کی مثبت فکری تربیت کی لئے۔

- قومی تشکیل کے نقطہ سے باہمی تعلقات کو فروغ دینے کے لیے۔
- مہذب قومی بقاء اور قومی اتحاد کے تناظر میں۔

فکر نبوی ﷺ کا خلاصہ انسانی تشکیل پر مبنی ہے اسے سامنے رکھتے ہوئے سابقہ نکات کے مطابق ان مبادیات کو قومی تشکیل کے سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ رسالت کو سامنے رکھتے ہوئے دعوتی اسلوب کی فکری انداز میں اس طرح تشریح کی گئی ہے:

> والله تعالى أرسل رسوله بالهدى ودين الحق، فلا هدى إلا فيما جآء به. ولاريب أنه يجب على كل أحد أن يؤمن بما جآء به الرسول إيماناً عاماً مجملاً، ولاريب أن معرفة ما جآء به الرسول على التفصيل فرض على لكفاية، فإن ذلك داخل في تبليغ ما بعث الله به رسوله، وداخل في تدبر القرآن وعقله وفهمه، وعلم الكتاب والحكمة، وحفظ الذكر، والدعاء إلى الخير، والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والدعاء إلى سبيل الرب بالحكمة والموعظة الحسنة، والمجادلة بالتي هي أحسن، ونحو ذلك مما أوجبه الله على المؤمنين.[22]
>
> اللہ تعالی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا، تو ہدایت صرف اسی میں ہے جو وہ لائے۔ بے شک ہر ایک پر فرض ہے کہ وہ رسول کے لائے گئے سب پر عمومی اور جامع ایمان لائے۔ بے شک رسول کا لایا گیا ہر مسئلے کی معرفت تفصیلی طور پر ہر کسی کے لیے ضروری ہے، کیونکہ اس سے رسول کی بعثت کا پیغام پہنچتا اور اس میں قرآن کے تفکر، عقل، سمجھ، کتاب اور حکمت کی حفاظت، یاد رکھنے کی ضرورت، نیکی کی دعا، نیک کام کے لیے اور بری کام سے روکنے کی حمایت، حکمت و معروفی کے لیے دعا، اچھی نصیحت، بہترین مباحثہ اور اس طرح کی دیگر چیزیں شامل ہیں جو اللہ نے مومنوں پر فرض کی ہیں۔

یہ قول ہمارے دور کے مطابق قابل غور ہے کہ دعوت کا مدبرانہ سلیقہ نہ ہونے کی وجہ سے امت انتشار کا شکار ہے۔ اس کی وجہ خاص سوچ کو جہاتی رنگ دینا ہے۔ کسی خاص نقطہ پر سوچ کے بدلنے سے فکر کی بنیاد پر پورا علیحدہ مکتب جوڑا جاتا ہے جس وجہ سے سوچ کی ترویجی فکری دیوار منہدم ہو جاتی ہے اور امت میں سوچ کی بنیاد پر زمانے کے مطابق حال بدلنے میں توقف آجاتا ہے۔ دیگر قومیں اپنی فکر کی بنیاد پر ڈھانچہ تشکیل دیتی ہے جن پر ہم حلت اور حرمت کے حکم لگانے کے ہی قابل ہو پاتے ہیں اور عامۃ الناس انسانی فطرت کے مطابق جاذبیت نمارخ کی طرف چہرہ کر لیتی ہے۔ یہ ان کا قصور نہیں کیوں کہ فطرت انسانی اصول زندگی ہے۔

خلاصہ کلام

موجودہ حالات میں مسلمان کئی طرح سے فکری کشمکش کا شکار ہیں جس میں کامیاب ہونے کے لئے اتحاد امت کے ساتھ ساتھ غیر کی حقیقت، فکر و فلسفہ اور اس کے تطبیقی انداز سے آشنائی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کے نتیجے میں ہمارے رویے فکری بنیادوں پر ان کی فکری و قلبی توجہ اسلام کی طرف مبذول کر سکیں گے۔ زیرِ نظر مقالہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اختصار کے ساتھ دعوت پر مبنی حیات نبی کے فکری پہلو سامنے لائے جائیں جنہیں درج ذیل بنیادی نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

- حقیقت انسان اور ضرورت دین۔
- اہل مکہ کے حالات اور نبی کریم ﷺ کا اسلوب دعوت اور حکمت۔
- ہجرت حبشہ، تعلیمات نبی کریم ﷺ، دور حاضر کے مطابق فکری پہلو۔

- امت کے موجودہ دعوتی انداز اور فکرِ نبوی کی مطابق توجہ طلب امور۔

مذکورہ جہات پر تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حیاتِ نبی ﷺ کے اہم اہم واقعات کو محض قصص کی حیثیت سے پڑھنے کی بجائے عصرِ حاضر میں دعوت و تبلیغ کے میدان میں درپیش مسائل کے حل کے لیے لائحہ عمل کے طور پر سامنے رکھنا چاہیے۔ آپ ﷺ کا مکی دورِ حیات ابتلاء و آزمائش کے حالات میں لائحہ عمل فراہم کرتا ہے تو ہجرتِ حبشہ پر امن حالات میں دفاعی بیانیہ اور اس کے ذریعے فلسفہ دعوت نمایاں کرتا ہے۔ دورِ حاضر میں دعوت کے اسالیب کو فکرِ نبوی ﷺ کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے تاکہ دعوت کے وہ دوررس اور مثبت اثرات دیکھنے کو ملیں جو حیاتِ طیبہ ﷺ میں نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

1 سورۃ العلق 96:1-2۔

2 سورۃ البقرۃ 2:30۔

3 ایضاً۔

4 ایضاً۔

5 الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، 1420ھ)، 29/338۔

6 محمد الغزالی، فقه السيرة، (قاہرۃ: دار الکتب الحدیث 1965ء)، ص24.

7 اسعد داغر، حضارة العرب :تاريخهم- علومهم- آدابهم- أخلاقهم- عاداتهم ،(مصر: مطبعۃ الہندیۃ، 1918ء)، ص38۔

8 البوطی، محمد سعید رمضان، فقه السيرة النبوية، (بیروت: دار الفکر المعاصر، 1991ء)، ص50.

9 البغدادی، ابوجعفر محمد بن حبیب، المنمق في أخبار قريش، (بیروت: دار عالم الکتب، 1985ء)، ص32.

10 محمد الغزالی، فقه السيرة، ص74-75۔

11 ابن ہشام، عبد الملک، السيرة النبوية لابن هشام، (قاہرۃ: مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، 1955ء)، 1/182۔

12 الماوری، علی بن محمد، أعلام النبوة، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ 1986ء)، ص19.

13 محمد الغزالی، فقه السيرة، ص88۔

14 البوطی، فقه السيرة النبوية، ص146۔

15 ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، الفصول في اختصار سيرة الرسول ﷺ، (ریاض: وزارۃ الشؤون الاسلامیۃ والاوقاف، 2010ء)، ص54۔

16 البوطی، فقه السيرة النبوية، ص146۔

17 ایضاً، ص138۔

18 الفرہاری، عبد العزیز بن احمد، النّبراس شرح شرح العقائد النسفية، (ترکیا: مکتبۃ یاسین، 2012ء)، ص50۔

19 الجیلانی بن التوہامی مفتاح، فلسفة الإنسان عند ابن خلدون، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2011ء)، ص79.

20 ایضاً۔

21 سورۃ النحل 16:125۔

22 ابن ابی العز، الحنفی، شرح العقيدة الطحاوية، (ملتان: مکتبہ حقانیہ، 1407ھ)، ص70۔